اِدارۃ المعارف کراچی ۱۴

24

آدابُ الشّیخ وَالمُرید

آدابُ الشّیخ والمُرید

○○○

تالیف

امام عارِف شیخ اکبر محیّ الدّین ابنِ عربیؒ

ترجمہ وشرح

حضرت مولانا مُفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

○○○

اِدارۃُ المعارِف کراچی

فہرست مضامین

مضامین	صفحہ نمبر

الحمد لله الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا الله وصلی الله تعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمدواله وصحبه وسلم تسلیما کثیرا. اما بعد

یہ ایک مختصر مگر نہایت جامع اور مفید رسالہ حضرت شرف الاسلام والمسلمین شیخ اکبر محی الدین ابن عربی ؒ ملائی اندلسی کی تصنیف ہے۔

اس رسالہ میں حضرت موصوف نے طریقت وسلوک کے وہ آداب اور اصولِ صحیحہ جمع فرمائے ہیں جو شیخ اور مرید دونوں کے لیے مشعل راہ ہیں اور جن کے نظر انداز ہو جانے کی وجہ سے آج کل اکثر اہل طریق اور بڑے بڑے مشائخ طریقت اصل طریقت سے دور جا پڑے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ خود ان سے دور ہیں بلکہ ان اصولِ صحیحہ سے بیگانگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کہیں کوئی بزرگ سنّتِ اکابر پر چلتے ہیں اور ان آداب کا استعمال فرماتے ہیں تو اُن کو نظر اعتراض سے دیکھا جاتا ہے اور طرح طرح کے طعن و تشنیع کیے جاتے ہیں۔ خانقاہ تھانہ بھون میں مجدد الملت حکیم

نوٹ:۔ اس ترجمہ پر حضرت مجدد الملّت حکیم الامت دامت برکاتہم نے باستیعاب نظرِ اصلاح فرما کر بہت سے حواشی مفیدہ ضروریہ کا اضافہ بھی فرمایا ہے۔ جن حواشی پر مترجم کا حوالہ نہیں وہ سب حضرت موصوف کی عبارتیں ہیں۔ (احقر مترجم)

الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحبؒ کی تربیتِ سلوک ہمیشہ سے طبعی طور پر انہی اصول وآداب کے ماتحت ہے لیکن غلبۂ رسوم سے ہمیشہ حقیقت مستور ہوجاتی ہے۔لوگ نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی سنّت کو بدعت اور بدعت کو سنّت سمجھنے لگتے ہیں اسی طرح اکابر اہلِ طریق کے اصول وآداب بھی ایک زمانہ سے دنیا میں مفقود ہیں یہاں تک کہ بہت سے ذکر وشغل کرنے والے اہلِ طریق بلکہ بعض مشائخ بھی ان کو بدعتِ طریقت سمجھنے لگے۔ میں ذاتی طور پر الحمدللہ ہمیشہ سے ان آدابِ طریقت کو ضروری سمجھتا تھا لیکن مجموعی حیثیت سے ان کی کوئی نقل سامنے نہ تھی ان ایام میں اتفاقاً رسالہ مذکور نظر سے گزرا تو ایک امامِ فن سے انہی اصول کو منقول دیکھ کر مسرت ہوئی تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت اقدس قدس سرہ کے سامنے پیش کیا۔ حضرت بھی اسی وجہ سے مسرور ہوئے کہ جو اصول طبعی طور پر مقرر کیے گئے تھے وہ سب ایک امامِ فن کے قلم سے ظاہر ہوگئے۔ وللہ الحمد اُسی وقت سے اس کا ارادہ کرلیا تھا کہ اس کا ترجمہ سلیس اردو میں کرکے طبع کیا جائے۔اس لیے بنامِ خدائے عزوجل شروع کرتا ہوں اور اس کا نام حسبِ تجویز حضرت موصوف ''القول المضبوط'' رکھتا ہوں۔ وماتوفیقی الاباللہ العلی العظیم۔

بندہ محمد شفیع غفرلہ

خادم طلبائے دارالعلوم دیوبند ۳؍ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ

الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذاوما کنا نھتدی لو لا ان ھدانا اللّٰہ.

جب حق تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم فرمایا وانذر عشیر تک الاقربین[1] تو آپؐ نے اپنے قرابت والوں کو دعوت دی اور صفا (پہاڑ) پر کھڑے ہو کر ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرانا شروع کیا جس چیز کی تبلیغ کا آپؐ کو حکم دیا گیا تھا اس کی تبلیغ فرمائی جیسا کہ امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ "دین خیر خواہی کرنے کا نام ہے۔" صحابہؓ نے عرض کیا، کس کی؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ[2] کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسولﷺ کی اور احکام المسلمین کی اور عام مسلمانوں کی پھر اقرباء اور رشتہ دار، حکم شریعت میں (خیر خواہی اور) احسان کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور قرابت دو قسم پر ہے ایک قرابت طینیہ (یعنی نسب کی رشتہ داری) اور دوسری قرابت دینیہ اور (زیادہ تر) معتبر شریعت میں قرابت دینیہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو مذہب والوں کی آپس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ پس

---

[1] اپنے قبیلہ کے قریب کے لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایئے۔۱۲ منہ

[2] اللہ تعالیٰ کا ذکر اس میں یا تو محض تبرّکاً ہے اور یا مراد دینِ الٰہی کی خیر خواہی ہے جس کی تفصیل بعد میں مذکور ہے۔۱۲ منہ

اگر دین نہ ہوتو قرابتِ طین وراثت کا کچھ حصہ نہیں دلاتی۔ احقر مترجم کہتا ہے کہ اسی مضمون کو عارف شیرازیؒ نے اس شعر میں خوب ضبط کیا ہے ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

اور ہمارے شیخ ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف ایک لطیف اشارہ فرمایا ہے وہ یہ کہ میں ایک روز ان کی خدمت میں گیا اور عرض کیا **الاقربون اولیٰ بالمعروف** (یعنی اقرباء احسان کے زیادہ مستحق ہیں) انہوں نے فرمایا **الی اللہ** یعنی جو **اقرب الی اللہ**[1] ہیں وہ احسان کے زیادہ مستحق ہیں اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کا ارشاد ہے **انما المومنون اخوۃ** پس جب ایمان ثابت ہوگیا تو برادری ثابت ہوگئی اور جب برادری ثابت ہوئی تو شفقت و رحمت ضروری ہوئی اور شفقت و رحمت کے اس کے سوائے کوئی معنی نہیں کہ تم اپنے بھائی کو عذابِ دوزخ سے نکال کر جنّت کی طرف لے جاؤ اور جہل سے علم کی طرف اور ندامت سے حمد کی طرف اور نقصان سے کمال کی طرف منتقل کرو اس لیے کہ کوئی بندہ اپنے ایمان کو مکمل نہیں کرسکتا جب تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لیے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے جیسا کہ اس کو امام مسلم نے اپنی کتاب

---

[1] اس کی یہ مراد نہیں کہ کسی کے قرابت والے احسان وسلوک کے بالکل مستحق نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ اصل احسان واکرام کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں اقرباء ہوں۔ سو نفسِ احسان کے ساتھ بھی ثواب ہے۔ مترجم

میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمایا ہے اور تمام مسلمان دوسرے کے مقابلہ میں ایک ہاتھ کی طرح متحد ہیں اور مسلمان مسلمان کے لیے مثل تعمیرِ مکان ہے کہ ایک اینٹ سے دوسری اینٹ کو قوت ہے پس سمجھ لیجیے کہ اس حکمِ نبویؐ کی بنا پر مسلمانوں کو غفلت سے آگاہ کرنا اور جہالت کی نیند سے بیدار کرنا اور دوزخ کے غار سے جس کے اوپر وہ کھڑے ہوئے ہیں ان کو نجات دینا واجب ہے۔ پھر مسلمان بہت سے مراتب پر منقسم ہیں، منجملہ ان کے ایک مرتبہ تصوف ہے جس کو ایک جماعت نے اختیار کیا ہے جو صوفیاء کے نام سے نامزد کی جاتی ہے اور جس کا حال یہ ہے کہ وہ آخرت کو دنیا پر اور حق تبارک وتعالیٰ کو تمام مخلوق پر ترجیح دیتے ہیں۔ (احقر مترجم کہتا ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر یہ ارشادِ حق رہتا ہے کہ **ماعندکم ینفدوما عنداللّٰہ باق** جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ہی باقی رہنے والا ہے)

ویطربنی قول بعضھم فی ھذا المعنی۔

لکل شی اذافارقته عوض ولیس للّٰہ ان فارقت من عوض

ہر چیز کا بعد اس کی مفارقت کے بدل مل سکتا ہے۔لیکن اگر (خدانخواستہ) اللہ تعالیٰ سے مفارقت ہوگئی تو اس کا کوئی بدلہ نہیں۔ اور مسلمانوں کے جتنے طوائف اور طبقات مختلف مراتب ومشارب کی وجہ سے

ہیں ان میں ہر طبقہ دو حالتوں پر منقسم ہے ایک تو وہ لوگ جو اپنے مشرب و مذہب میں سچّے اور صاحبِ حقیقت ہیں، دوسرے وہ جو محض مشرب کے مدعی ہیں اور حقیقت کا ان کے پاس کوئی حصہ نہیں، پس قرابت ہر جماعت کی ان ہی لوگوں کے ساتھ ہے جو ان کے طریق و مشرب میں ان کے ساتھ ہیں خواہ فقط صورت اور ظاہر کے اعتبار سے ساتھ ہوں اور وہ وہ لوگ ہیں جو محض مدعی ہیں اور حقیقت کچھ نہیں کر سکتے اور خواہ ظاہر و باطن اور صورت و سیرت دونوں کے اعتبار سے ساتھ ہوں اور وہ محققین ہیں پس ہمارے ذمّہ ضروری ہوگیا کہ ہم ان کے اقرباء و رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیں اور مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کی خیر خواہی کریں اور برادری کی وجہ سے ان پر شفقت کریں۔

طریقت ہی صراطِ مستقیم ہے

اور خوب سمجھ لیجئے کہ یہ طریق یعنی اللہ کا راستہ وہی صراطِ مستقیم ہے جو سب راہوں سے زیادہ بڑا اور سب سے زیادہ اعلیٰ ہے اس لیے کہ راستہ کی شرافت یا دناءت اس کی غایت اور منزل مقصود تک اعتبار سے ہوتی ہے اور جبکہ اس طریق کی غایت حق سبحانہ، وتعالیٰ ہے جو اشرف موجودات واعز معلومات ہے، جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے اس کا راستہ بھی سب سے اشرف وافضل ہوا اور جو شخص اس راستہ کا رہبر ہے وہ سب رہبروں اور

رہنماؤں سے اکمل و اعلیٰ ہوا اور جو راستہ پر چلنے والا ہے وہ سب راستوں کے چلنے والوں سے زیادہ خوش نصیب اور نجات پانے والا ہے۔ اس لیے عقلمند کے لائق ہے کہ اس راستہ کے سوا کسی راستہ کو اختیار نہ کرے کیونکہ اس کا تعلق اس کی ابدی سعادت و راحت کے ساتھ ہے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ کے راستہ پر چلنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک صادق اور دوسرا صدیق یعنی ایک تابع و خادم دوسرا مخدوم و متبوع، تابع کو مرید یا سالک یا شاگرد کہتے ہیں اور مخدوم و متبوع کو شیخ اور استاذ اور معلّم کہا جاتا ہے اور شیخ سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو شیخ اور معلّم بننے کی استعداد و قابلیت رکھتا ہو خواہ بحالت موجودہ کسی کا شیخ یا معلّم ہو یا نہ ہو اور میری غرض اس رسالہ میں یہ ہے کہ مقامِ شیخوخیت اور اس کے لوازم و آداب کو نیز مرید کے مقام اور اس کے لوازم کو بیان کروں جس پر اہلِ طریق کا باہمی معاملہ ہونا چاہیے اور جس صورت پر طریقِ الٰہی میں چلنا چاہیے اور اسی لیے میں نے اس کا نام **"الحکم المربوط فیما یلزم اھل طریق اللّٰہ تعالیٰ من الشروط"** رکھا ہوا ہے کیونکہ زمانہ لمبے چوڑے جھوٹے دعوؤں سے بھرا ہوا ہے نہ کوئی مرید ہی صادق اور سلوک میں ثابت قدم نظر آتا ہے اور نہ کوئی شیخ ہی محقق نظر پڑتا ہے جو مرید کی خیر خواہی کرے اور اس کو نفس کی رعونت اور خود رائی سے نکالے اور طریقِ حق اس کے سامنے ظاہر کر دے۔ پس مرید شیخوخیت اور بڑائی کا مدعی ہو جاتا ہے اور یہ سب خبط اور تلبیس ہے۔

طریقت میں شیخ کی ضرورت

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ دعوت الی اللہ کا مقام وہ نبوّت کا مقام ہے یا نبوّت کی وراثتِ کاملہ کا مقام جو شخص [۱] اس مقام میں قائم ہوتا ہے اس کو زمانِ نبوت میں نبی کہا جاتا ہے اور زمانۂ نبوّت کے بعد (یعنی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) اس کو شیخ اور استاذ اور وارث کہا جاتا ہے، جو علماءِ حق ہوں بغیر اس کے کہ وہ انبیاء [۲] ہوں۔ اور شیخ وہ ہے کہ جس کے حق میں اکابر اہل طریق نے فرمایا ہے کہ جس شخص کا کوئی استاد نہ ہو اس کا استاد شیطان ہے [۳] اور نبی کریمؐ کے استاد جبرئیلؑ ہیں اور ہروی نے اپنی کتاب درجات لتابعین میں روایت کیا ہے اور یہی روایت مجھے شیخ شریف جمال الدین یونس بن یحیٰی سے ۵۹۹ھ حرمِ بیت اللہ میں رکنِ یمانی کے سامنے حاصل ہوئی جس کو انہوں نے مستقل سند سے روایت کیا

---

[۱] اس عنوان سے شبہ نہ کیا جاوے کہ اس مقسم کی دونوں قسموں میں صرف یہی تفاوت ہے کہ ایک قسم زمانِ نبوّت میں ہے اور دوسری قسم زبانِ غیر نبوّت میں۔ بلکہ خود دونوں کے کمالاتِ ذاتیہ میں بھی غیر محدود تفاوت ہے۔ ۱۲

[۲] شیخ کی اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوّت باقی اور جاری نہیں مانتے اس لئے فتوحات کی وہ عبارت جس سے شبہ پڑتا ہے یہ ان کی عبارت نہیں جیسا کہ شعرانیؒ نے یواقیت میں لکھا ہے اور یا مئول ہے۔

[۳] اس مقولہ کو بعض لوگوں نے حدیث رسولؐ کی صورت میں ذکر کیا ہے مگر حضرت شیخ قدس سرہ نے اپنی شان کے موافق تحقیق سے کام لیا اور اس کو حدیث نہ فرمایا بلکہ مقولۂ شیخ ۱۲ مترجم۔

ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور جبرائیل آپ کے پاس پہلے سے تشریف رکھتے تھے اس فرشتہ نے کہا اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ آپ چاہیں تو نبی عبد بنیں اور چاہیں نبی پادشاہ[1] بنیں (یعنی نبی بھی ہوں اور دنیوی پادشاہ بھی)۔ جبرئیلؑ نے اشارہ کیا کہ آپ کو تواضع اختیار کرنی چاہیے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی عبد بننے کو پسند کرتا ہوں اور ہماری غرض اس حدیث کے نقل سے تعلیم جبرائیل علیہ السلام کا ثبوت ہے اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی چیز کو پسند کیا جس کو جبرئیل علیہ السلام نے پسند کیا۔ پس اس جگہ جبرائیل علیہ السلام شیخ معلّم کے قائم مقام تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متعلّم کے مقام میں۔ مترجم عرض کرتا ہے کہ یہاں سے کسی کو شبہ نہ ہونا چاہیے کہ جبرائیل علیہ السلام کا افضل المخلوقات حضرت سرور عالم سے افضل ہونا لازم آتا ہے جو جمہور مسلمین کے عقیدہ کے خلاف ہے کیونکہ درحقیقت معلّم اور مؤدب حضرۃ رسول اللہؐ کا خود حق سبحانہ ہے حضرت جبرائیلؑ محض واسطہ اور قاصد ہیں مگر صورۃً[2] معلّم اور شیخ کے قائم مقام ہیں اور اس عرض کی تائید اس

---

[1] شان وشوکت ظاہری بھی مثل بادشاہوں کے ہو ورنہ آپ کا بادشاہ ہونا یقینی ہے ۱۲

[2] اسی لیے شیخ نے مقام جبرئیل ھنا مقام المعلم کہا یہ نہیں کہا فکان جبرئیل ھنا معلماً پس جب معلم صوری سے استغناء نہیں ہے تو معلم حقیقی سے کیسے استغنا ہوگا۔ ۱۲

حدیث سے ہوتی ہے جو چند سطر کے بعد اسی رسالہ میں مذکور ہے۔ **ان اللّٰه ادّبنی فاحسن ادبی** یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور تعلیم دی (مترجم) اور اسی مضمون کے متعلق حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ارشاد فرمایا ہے **لاتحرّک به لسانک لتعجل به ان علینا جمعه وقرانه فاذا قرانهٔ فاتبع قرانه** نیز نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا ہے بہترین ادب سکھایا۔ الغرض اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سالک کے لیے مؤدب کی سخت ضرورت ہے اور اسی کا نام اصطلاح میں استاذ اور معلّم اور شیخ ہے اس لیے کہ یہ طریق چونکہ شرف و عزّت میں انتہائی درجہ رکھتا ہے اس لیے اس پر ہر طرف سے آفات اور موانع اور ایسے اُمور کا ہجوم ہے جو انسان کو ہلاک کرنیوالے ہیں اس لیے اس راستہ پر وہی چل سکتا ہے جو بہادر قوی الہمۃ اور پیش قدمی کرنے والا ہو اور اس کے ساتھ کوئی ماہر تجربہ کار رہبر بھی ہو اس وقت اس راستے پر چلنے کا فائدہ ظاہر ہوسکتا ہے۔ اس لیے شیخ کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنے مرتبہ (تادیب وتعلیم) کا حق پورا کرے اور مرید کے ذمہ واجب ہے کہ طریق کا حق ادا کرے۔ خوب سمجھ لیجئے کہ مقامِ شیخوخیت (یعنی کسی کا پیر اور مصلح ہو جانا) یہ انتہائی مقصود نہیں کیونکہ شیخ بھی اپنے رب سے اس مرتبہ کا طالب ہے جو اس کو حاصل نہیں اس لیے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی کریمؐ سے فرماتا ہے

و قل رب زدنی علماً اور دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم زیادہ کیجئے۔اس لیے شیخ اور اُستاد کی یہ صفت ہونی چاہیئے کہ وہ خواطر نفسانی وشیطانی اور ملکوتی و ربّانی سے پورا واقف ہو۔احقر مترجم کہتا ہے کہ توضیح اس کی یہ ہے کہ حدیث میں نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ ہر انسان کے قلب میں ایک شیطان مسلّط ہے اور ایک فرشتہ قلب میں جو خطرات و خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ کبھی تو شیطان کی طرف سے اور کبھی فرشتہ کی طرف سے (رواہ مسلم) انہی کو اس عبارت میں خطرات شیطانی و ربّانی سے تعبیر کیا ہے، الغرض شیخ کے لیے ان خطرات کے درمیان تمیز کرنا ضروری ہے نیز اس اصل کا پہچاننا بھی ضروری ہے جس سے یہ خطرات منبعث (یعنی پیدا) ہوئے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان خطرات کے ظاہری حرکات سے (یعنی انبعاثات سے) جن کا وجود محسوس ہے اور ان میں جو امراض و علل ہیں جو عین حقیقت کی طرف پہنچنے سے مانع ہیں، پورا واقف ہو (خواطر نفسیہ و شیطانیہ میں تو بالذات بھی امراض و علل واقف ہو جاتے ہیں اور خواطر ملکیہ و ربّانیہ میں بعض اوقات دوسرے عوارض سے بعض علل کی آمیزش ہو جاتی ہے۔تو شیخ کا ان سب سے واقف ہونا شرط ہے۔)

اور ضروری ہے کہ امراض کی دواؤں اور ان کی کیفیات وحقیقت سے بھی واقف ہو اور ان اوقات سے بھی واقف ہو جن میں مرید کو ان دواؤں

کے استعمال پر آمادہ کیا جائے نیز مریدوں کے اختلافِ مزاج اور خارجی علائق و موانع کو مثلاً والدین اور اہل و عیال اور بادشاہ وغیرہ (تعلقات کی مانعیت) کو جانتا ہو اور ان کی سیاست و تدبیر سے واقف ہو اور مریض مرید کو ان کے (یعنی ان علائق و موانع کے) پنجہ سے نکالے۔ اور یہ سب اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ مرید کو اللہ کے راستہ میں رغبت ہو اور اگر اُسی کو رغبت نہیں تو پھر کوئی نفع نہیں۔

آدابِ شیخ

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ میں آداب شیخ کو شروط کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس لیے احقر نے بھی ان آداب کا عنوان ''شرط'' ہی رکھا ہے (مترجم)

شرط ①: شیخ کے لیے یہ شرط ہے کہ مرید کو آزاد نہ چھوڑے کہ جہاں چاہے جائے، بلکہ جب گھر سے نکلے تو اجازت لے کر نکلے اور جس کام کے لیے جائے شیخ کی اجازت سے جائے۔

شرط ②: شیخ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو ہر لغزش پر جو اُس سے صادر ہو تنبیہ و زجر و توبیخ کرے اور اس میں عفو و مسامحت کو راہ نہ دے اور اگر عفو سے کام لیا تو اُس نے اس مقام شیخوخیت کا حق ادا نہ کیا جس

پر وہ قائم ہے۔ بلکہ وہ ایک بادشاہ ہے جو اپنی رعیت سے خیانت کرتا ہے اور اپنے رب کی حرمت وعظمت پر قائم نہیں۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں "**من ابدی لنا صفحۃً اقمنا علیه الحد**" یعنی جو شخص ہمارے سامنے اپنا چہرہ ظاہر کریگا (مراد یہ ہے کہ جس کا جرم ظاہر ہو جاویگا) ہم اُس پر حد قائم کر دیں گے۔ (اسی طرح شیخ کو غلطیوں پر مواخذہ کرنا چاہئے)

شرط ③: منجملہ شرائطِ شیخ کے ایک یہ بھی ہے کہ مرید سے عہد لے کہ وہ شیخ سے کوئی خطرۂ قلبی یا حال باطنی پوشیدہ نہ رکھے گا اور جبکہ طبیب جڑی بوٹیوں کی صورت وخواص سے واقف نہ ہو اور ترکیب ادویہ کو نہ جانتا ہو تو وہ مریض کے لیے مہلک ہے اس لیے خواص کا علم بغیر صورت پہچاننے کے کافی نہیں۔ دیکھئے اگر کوئی دوافروش (عطار) مریض کا دشمن ہو اور اس کو ہلاک کرنا چاہتا ہو تو طبیب اس کے لیے حسب تجویز دوا طلب کرے گا مگر وہ دوا کی صورت وحقیقت کو پہچانتا نہیں۔ اگر اس وقت عطار اس کو کوئی ایسی چیز دیدے جس سے مریض ہلاک ہو جائے اور طبیب بوجہ ناواقفیت کے وہی دوا مریض کو پلا دے اور مریض ہلاک ہو جائے تو اس کا گناہ عطار اور طبیب دونوں کی گردن پر ہوگا کیونکہ طبیب کا فرض تھا کہ وہ کوئی ایسی چیز نہ پلائے جس کی حقیقت وصورت کو نہ جانتا ہو ایسے ہی شیخ جبکہ صاحبِ ذوق

نہ ہو اور طریق کو محض کتب تصوف دیکھ کر یا لوگوں سے سن کر حاصل کیا اور وجاہت و ریاست کے لیے مریدوں کی اصلاح و تربیت کرنے بیٹھ گیا تو وہ مرید کے لیے مہلک ہے اس لیے کہ وہ طالب سالک کے مصدر و مورد اور تغیر حالات کو نہیں سمجھتا اس لیے ضروری ہے کہ شیخ کو **انبیاء علیہم السلام کا دین اور اطباء کی تدبیر اور بادشاہوں کی سیاست** حاصل ہو اُس وقت اُس کو اُستاذ کہا جا سکتا ہے اور شیخ پر واجب ہے کہ کسی مرید کو بغیر امتحان و آزمائش کے قبول نہ کرے۔

شرط ④: اور شیخ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کے ہر سانس اور ہر حرکت کا محاسبہ کرے اور جتنا زیادہ اس کو مطیع متبع دیکھے اُس پر اس معاملہ میں تنگی کرے کیونکہ یہ راستہ ہی شدت کا ہے اس میں نرمی کو دخل نہیں کیونکہ رخصتیں تو عوام کے لیے ہیں اس لیے کہ وہ تو صرف اس پر قناعت کرتے ہیں کہ ان پر اسلام و ایمان کا نام آ جائے اور صرف ان چیزوں کو ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں اور جو شخص اعلیٰ[1] درجہ کو اور عوام کے مرتبہ سے زیادتی کو طلب کرتا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ

---

[1] یہ اُس زمانہ کے طالبین کی حالت تھی اب تو فرائض کی مشقت کو بھی جو کہ معتد بہ مشقت بھی نہیں، برداشت نہیں کرتے اس میں بھی شیخ کی سیاست کو گراں سمجھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے فرائض کو صرف ظاہری ارکان اسلام میں اور انہیں بھی صرف صورت کے درجہ میں منحصر سمجھ رکھا ہے۔

اس کے حاصل کرنے میں سختیاں برداشت کرے اور جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے سینہ پر موتیوں کا ہار دیکھے اس پر ضروری ہے کہ قعر دریا کی ظلمت کو برداشت کرے اور روحِ حیات یعنی سانس کو چلنے سے روکدے کیونکہ دریا میں غوطہ لگانے کے لیے ضروری ہے کہ اپنے سانس کو روکے اسی سے ہمارا مدعا ثابت ہوا اور ہمارے امام ابو مدین فرمایا کرتے تھے کہ مرید کو رخصتوں سے کیا واسطہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ **والذین جاھد و افینا لنھدینھم سبلنا** (جو لوگ ہماری اطاعت میں مجاہدہ (کوشش) کرتے ہیں ہم اُن کو سیدھا راستہ بتا دیتے ہیں) اب دیکھ لو تم کہاں پڑے ہوئے ہو مجاہدہ کے بعد صحیح راستہ ظاہر ہوگا اور اُس وقت اُس راستہ پر چلنا ہوگا اور راستہ کا قطع کرنا ایک سفر ہے اور سفر ایک قطعہ ہے عذاب کا اس لیے کہ مسافر ایک تکلیف سے دوسری تکلیف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے پھر راحت کہاں۔

شرط ⑤: اور شیخ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ شیخوخیت (پیری) کی جگہ پر اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک اُس کو کوئی شیخ (پیر) اس جگہ پر خود نہ بٹھائے یا حق تبارک[1] وتعالیٰ خود اس پر الہام فرمادیں اور اُس کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہی معاملہ ہو کہ بلا واسطہ شیخ تربیت کی جاتی ہو۔

---

[1] حضرت قدس سرہ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں شرط یہ ہے کہ اس زمانہ کے مشائخ طریقت اُس کو قبول کرلیں۔۱۲

شرط ⑥ : منجملہ شرائط شیخ ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کلام کرے اور اس کے مقابلہ میں کوئی جھگڑا کرنے والا کھڑا ہو جائے تو اپنے کلام کو قطع کر دے اس لیے ان حضرات (صوفیاء) رحمہم اللہ تعالیٰ کا جھگڑا کرنے والوں کے ساتھ کوئی کلام نہیں رہتا کیونکہ ان کے علوم، منازعت (جھگڑے) کو قبول نہیں کرتے اس لیے کہ یہ علوم وراثت ہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کسی بات پر جھگڑا ہوتا تو آپ فرما دیتے کہ نبی کے سامنے منازعت مناسب نہیں اور یہ اس لیے کہ معارف الٰہیہ اور ارشاداتِ لطیفہ ربآنیہ احاطۂ عقول سے خارج ہیں یعنی عقل اپنی نظر و فکر سے اُن کا احاطہ نہیں کر سکتی اگر چہ اس کے ادراک کی قابلیت خداداد اس میں موجود ہے اس لیے ان علوم میں (جبکہ عقل کی نظر و استدلال کا راستہ نہیں) تو اب کشف کے سوا کوئی ذریعہ حصول نہ رہا۔ اور جو شخص معائنہ اور مشاہدہ کر کے کوئی خبر بیان کرے تو سامع کو نہ چاہئے کہ اس میں کوئی منازعت کرے بلکہ احکام طریقت کے موافق اس پر دو چیزوں میں سے ایک واجب ہے یعنی اگر اس صاحبِ کشف کا مرید ہے تو اس کی تصدیق واجب ہے اور اگر مرید نہیں تو تسلیم واجب ہے (مراد تسلیم سے یہ ہے کہ اگر تصدیق نہیں کر سکتا تو اس میں کوئی منازعت اور جھگڑا بھی نہ کرے بلکہ سکوت و تسلیم سے کام لے ۱۲ مترجم) کیونکہ مرید اگر اپنے شیخ کے قول کو سچا

ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا تو کہاں فلاح پا سکتا ہے اور جب تم کسی شیخ کو دیکھو
کہ وہ مرید کو آزاد چھوڑے ہوئے ہے اور مرید اس کے مقابلہ (یعنی
مخاطبہ) میں ادلّہٗ شرعیہ یا عقلیہ سے استدلال کرتا ہے اور شیخ اس کو
زجر و توبیخ نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ وہ تربیت میں خیانت کر رہا ہے اس لیے کہ
مرید کے لیے بجز ان اشیاء کے جن کا مشاہدہ معائنہ کر لے اور کسی چیز میں
کلام کرنا مناسب نہیں (اور ابھی یہ درجہ اس کو نصیب نہیں ہوا اس لیے کہ اس
کو کلام نہ کرنا چاہئے) بلکہ اس کے ذمہ سکوت واجب ہے اور (ایسے امور
میں) رائے و فکر اس پر حرام ہے اور دلائل میں نظر کرنا اس پر ممنوع ہے پس
جو شیخ اپنے مرید کو اس حالت پر چھوڑے رکھتا ہے وہ اس کا مرشد نہیں، بلکہ
اس کی ہلاکت میں کوشش کرنے والا اور اس کے حجاب کو بڑھانے والا اور
اس کے لیے حق تعالیٰ کے دروازے سے مردود بننے کا باعث ہے اور شیخ
کے لے اولیٰ یہ ہے کہ جب وہ کسی مرید کو دیکھے کہ وہ نظریات میں اپنی عقل
کا استعمال کرتا ہے اور شیخ نے جو کچھ اُس کو بتلایا ہے اس میں شیخ کو رائے کی
طرف رجوع نہیں کرتا تو چاہئے کہ اس کو اپنی مجلس یا خانقاہ سے نکال دے
اس لیے کہ وہ دوسرے مریدوں کو بھی خراب کر دے گا اور خود کوئی فلاح نہ
پائے گا اس لیے کہ مریدین تو عرائس اللہ ہیں یعنی دلہنوں اور حوروں کی
طرح اپنے خیموں میں مقصور ہیں ہر منظر و مجلس سے اپنی نظر بچانے والے

ہیں سوا اس منظر کے جس کی طرف اُن کا شیخ ان کو لیجا رہا ہے اور شیخ کے لیے واجب ہے کہ جب یہ سمجھے کہ کسی مرید کے قلب میں سے اُس کی حرمت اور بڑائی نکل گئی تو اس کو اپنی سیاست کے ذریعہ اپنے گھر سے نکال دے کیونکہ وہ سب سے بڑا دشمن ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

احذر عدوک مرة واحذر صدیقک الف مرة

اپنے دشمن سے ایک مرتبہ ڈر تو دوست سے ہزار مرتبہ ڈر

فلربما انقلب الصدیق فکان اعرف بالمضرة

اس لیے کہ بسا اوقات دوست منقلب ہو کر دشمن بن جاتا ہے تو وہ نقصان کے راستے زیادہ جانتا ہے۔

اور ایسے شخص کے لیے ظواہر شریعت اور عام طریق عبادت کا اشتغال واجب ہے اور ایسے مرید کے درمیان اور اپنے تمام متعلقین اولاد واعزہ کے درمیان دروازہ آمد و رفت اور میل و ملاقات بند رکھے کیونکہ مرید کے لیے کوئی چیز اس شخص کی صحبت سے زیادہ مضر نہیں جو اس طریق کا قائل یا پابند نہ ہو (جیسا کہ یہ بدر کردہ مرید ہو گیا)

اور شیخ کے لیے تین مجلسیں ہونی چاہئیں

ایک مجلس عوام کے لیے اور دوسری اپنے تمام مریدین واصحاب

کے لیے اور تیسری ہر مرید کے لیے جداگانہ پھر واجب ہے کہ مجلس عام[1] میں کسی مرید کو شریک نہ ہونے دے اور اگر اُن کو اس مجلس میں شریک کیا تو اُن کے حق میں سخت برائی کی۔

شرط ⑦: متعلق مجلس عام۔ اور شیخ کی شرط مجلسِ عام میں یہ ہونی چاہئے کہ معاملات یعنی احوال (کہ معاملہ عبد کا ہے حق کے ساتھ) اور کرامات (کہ معاملہ حق کا ہے عبد کے ساتھ) کے نتائج (یعنی آثار) سے اور آدابِ شریعت کی محافظت اور احترام سے جس پر اللہ تعالیٰ کے خاص بندے گذرے ہیں یعنی ان چیزوں کی تذکرے سے تجاوز نہ کرے (غالباً غرض یہ ہے کہ تصوف کے دقیق مضامین اور علوم مکاشفہ کو جو مجلس خاص میں ذکر کئے جاتے ہیں اس مجلس میں بیان نہ کرے کیونکہ وہ ان کی سمجھ سے باہر اور ان کے لیے مضر ہیں)

شرط ⑧: متعلق مجلس خاص:۔ اور مجلس خاص میں شیخ کے لیے لازم یہ ہے کہ اذکار و خلوات اور مجاہدات سے اور ان کے راستوں کی توضیح و تبیین سے تجاوز نہ کرے جو آیتِ کریمہ **والذین جاهدوا**

---

[1] یعنی جس مجلس میں معارف کا تذکرہ نہ ہو جیسے دنیاداروں کے ساتھ ان کی مباح حاجتوں میں گفتگو کرنیکا اتفاق ہو جاتا ہے یا جیسے عوام صلحاً کے ساتھ مبادی طریقت و آداب شریعت کا بیان کیا جاتا ہے سو مجلس عام کی دو قسمیں ہیں قسم اول کا عام ہونا بالکل ظاہر تھا اس لیے شیخ نے صرف قسم ثانی کا تذکرہ فرمایا ۱۲

فینالنھدینھم سبلنا سے متعلق ومنسوب ہیں۔

شرط ⑨: متعلق مجلس انفراد۔ اور جب شیخ اپنے مرید کے ساتھ جداگانہ بیٹھے اس کے لیے لازم ہے کہ اس کو زجر وتوبیخ کرتا رہے اور یہ کہ جو حالات مرید پیش کرے اس کے متعلق یہ ظاہر کرے کہ یہ ادنیٰ درجہ کا اور ناقص حال ہے اور اس کو اس کی کم ہمّتی پر متنبہ کرے اور اپنے حال پر مغرور ومفتون نہ ہونے دے (مترجم عرض کرتا ہے کہ اصل تعلیم یہی ہے لیکن آجکل چونکہ عام طور پر ہمّتیں پست ہیں اور قلوب میں رغبت کم۔ اس لیے مرید کے حالات کو بکلّی ناقص وادنیٰ ظاہر کرنے سے یہ احتمال ہے کہ مایوس ہوکر چھوڑ نہ بیٹھے اس لیے کچھ تو غیبات سے بھی کام لیا جائے البتہ اس حد تک نہ پہنچنے دے کہ وہ اپنے حال پر مغرور ہو جائے اور غالباً حضرت شیخ رحمہ اللہ کی اصل میں یہی غرض ہے ورنہ سلف سے بطور ترغیب کے بعض حالات پر مبارکباد دینا اور عالی حال ہونے کی تصریح کرنا منقول ہے اور یہ بھی کہ ؏

درطریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست

اور آج کل مرشد المرشدین سیدی وسندی حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی تربیت میں بھی موجودہ حالات کی نزاکت اور عام بے رغبتی اور کم ہمّتی کی وجہ سے اس جزو کا خاص لحاظ ہے اور اُس کے ساتھ

ہی اکثر احوال واردات کے متعلق یہ بات ذہن نشین کر دی جاتی ہے کہ طالب ان چیزوں کو اصل مقصود نہ سمجھے۔ جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ایسے احوال محمود تو ہیں (اور ان سے ہمّت افزائی ہوتی ہے) اور مقصود نہیں (اس سے وہ مغرور و معجب نہیں ہونے پاتا، حضرت شیخؒ اصل مقصود یہی جزو ہے)

شیخ کو خود اپنے لیے بھی کوئی خلوت کا وقت رکھنا چاہیے

اور شیخ پر واجب ہے کہ اپنے لیے کوئی وقت خلوت مع اللہ کے لیے رکھے اور اُس وقت حضور پر اعتماد نہ کرے جو اس کو حاصل ہو چکی ہے اس لیے کہ نبی کریم ﷺ فرماتے تھے کہ میرے لیے بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ جس میں خدا کے سوا کسی کی گنجائش نہیں ہوتی اور یہ اس لیے کہ نفس کو قوت حضور اسی طرح حاصل ہوئی ہے کہ ایک زمانہ تک عادت حضور پر اور اللہ کے سوا تمام ظاہری اور باطنی چیزوں کے ترک پر مداومت کی پس اسی طرح عادت نقیض کے حکم پر بھی ہمیں کرنا چاہئے، یعنی ایسا نہ ہو کہ آہستہ آہستہ حضور کے خلاف یعنی غیبت کی عادت پڑ جائے بالخصوص جبکہ انسان کی جبلّت وطبیعت بھی اس کی (یعنی غیبت و غفلت) کی مؤید ہو۔

پس جبکہ ہر روز شیخ اپنے حالات کی نگرانی اسی طریق سے نہ کرے جس سے اس کو یہ تمکین (یعنی دوام اطاعت اور کثرتِ ذکر کی عادت) حاصل ہوئی ہو تو (عجب نہیں) کہ وہ دھوکہ میں پڑ جائے اور آہستہ آہستہ طبیعت و عادتِ قدیمہ اس کو اپنی طرف کھینچ لے اور پھر وہ خلوت میں بھی رہنا چاہے تو اُنس حاصل نہ ہو بلکہ خلوت سے وحشت ہونے لگے اور یہی حال ہے ان تمام حالات کیفیات کا جو نفس کی طبیعت و جبلّت کے موافق نہیں کہ اُن کے حالات کے حصول پر اعتماد نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ بہت سریع الزوال ہوتے ہیں اور ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے درجہ سے گر گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ان کو عافیت عطا فرمائے (آمین) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے **ان الانسان خلق هلوعاً و اذا مسه الشر جزوعاً و اذامسه الخير منوعاً**۔ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نفس کے تمام رذائل کو جمع فرما دیا ہے اور بیان فرما دیا ہے کہ جتنے فضائل نفس کو حاصل ہیں وہ اس کے جبلّی اور طبعی نہیں اس لیے ان کا تحفظ واجب ہے۔

شرط ⑩: اور شیخ کے آدابِ لازمہ میں سے یہ بھی ہے کہ جب مرید اس سے کوئی اپنا خواب بیان کرے یا کوئی کشف و مشاہدہ جو پیش آیا ہو ظاہر کرے تو اس کی حقیقت پر اس کے سامنے کلام ہرگز نہ کرے

لیکن اس کو ایسے اعمال بتلا دے جس سے اس کی مضرت و حجاب رفع ہو جاوے (یہ اس وقت جبکہ خواب و کشف کسی امر مضر کے متعلق ہو) یا اس کو اس سے اعلیٰ حال کیطرف متوجہ کر دے (اور یہ اس وقت جبکہ خواب اور کشف سے کوئی امر مفید ثابت ہو) اور غرض اس کی یہ ہے کہ مرید کو اپنے حال سے بڑائی پیدا نہ ہو جائے (نیز تاکہ تفتیش کشفیات کی اس کو عادت نہ ہو جائے جو کہ مضرِ طریق ہے) اور جب شیخ مرید کے خواب یا کشف وغیرہ (کی حقیقت) پر کلام کرے تو اس کے حق میں برائی کرے گا کیونکہ مرید کے قلب سے اسی قدر شیخ کی حرمت کم ہو جائے گی جس قدر اس سے کلام میں بے تکلفی کرے لگا[۱]۔ اور جسقدر حرمت کم ہو گی اسی قدر اس کے اتباع سے انکار پیدا ہو گا۔ اور جب اتباع اور اخذ تربیت سے انکار پیدا ہو گا تو عمل بھی جاتا رہے گا۔ اور جب عمل نہ رہے گا تو (حق تعالیٰ کے اور اس کے درمیان) حجاب حائل ہو کر مردود ہو جائے گا اور طریق کے حکم سے نکل جائے گا۔ پھر اس کی مثال کتے کی سی ہو جاوے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے اور تمام مسلمانوں کے لیے اس سے عافیت طلب کرتے ہیں۔ (اللہم آمین)

---

[۱] اور چونکہ اس حقیقت پر کلام کرنا غیر ضروری تھا، غیر ضروری کلام سے بے تکلفی بڑھ جاتی ہے۔۱۲

شرط (۱۱): اور شیخ کے شرائط و آداب میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو کسی کے پاس نہ بیٹھنے دے۔ سوا ان برادران طریقت کے جو اس کے ساتھ اس کام میں اسی شیخ کے زیر حکم جمع ہیں (اور اس کو ہدایت کرے) کہ نہ وہ کسی سے ملنے جائے اور نہ اس کے پاس کوئی ملنے آئے۔ اور کسی سے اچھا یا برا کلام نہ کرے اور جو کچھ اس کو حال پیش آئے یا کرامت ظاہر ہو تو اپنے برادرانِ طریقت میں بھی کسی سے بیان نہ کرے۔ اور اگر شیخ مرید کو ان افعال میں سے کوئی اس کے کرنے پر آزاد چھوڑ دے تو اس کے حق میں برائی کرتا ہے۔

شرط (۱۲): اور شیخ کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ اپنے مریدین کے ساتھ مجالست رات دن میں ایک مرتبہ سے زیادہ[1] نہ کرے اور اس (یعنی شیخ) کے لیے ایک گوشہ تنہائی گھر میں ہونا چاہئے جس میں اس کی اولاد میں سے کوئی بھی نہ جا سکے۔ بجز اس کے جس کو یہ خاص کر دے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس تنہائی میں کسی کو خاص بھی نہ کرے تا کہ اُس میں کسی مخلوق کی صورت نہ دیکھے۔ کیونکہ کسی کو دیکھنا اس کے حال میں اس متنفس کی قوتِ روحانیہ کے اندازہ کے موافق اثر رکھتا ہے اور بسا اوقات اس شخص کی وجہ سے شیخ کا حال اپنی خلوت میں متغیرّ ہو جاتا ہے اور اس کو ہر شیخ نہیں پہچان سکتا۔ اور ضروری ہے کہ شیخ کے لیے کوئی گوشہ اپنے اصحاب کے ساتھ اجتماع و مجالست کے

---

[1] تا کہ وہ بے تکلف نہ ہو جاوے اور تا کہ زیادہ وقت اپنے فرض میں صرف کرے

لیے بھی مقرر ہو۔

شرط ⑬: شیخ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے ہر مرید کے لیے گوشہ تنہائی مقرر کر دے جو اس کے لیے مخصوص ہو دوسرا کوئی اس میں نہ جا سکے۔

اور شیخ کے لیے مناسب ہے کہ جب کسی مرید کے لیے کوئی گوشہ مقرر کرے تو پہلے اس میں[1] خود داخل ہو اور اس میں دو رکعتیں پڑھے اور مرید کی قوتِ روحانیہ اور مزاج میں اور جو اُس کے حال کا مقتضا ہو اُس میں غور کرے۔ پھر شیخ ان دو رکعتوں میں ایسے حضور و جمعیت کو اختیار کرے جو اس مرید کے مناسب حال ہے۔ (غالباً یہ مراد ہے کہ شیخ ابوالوقت ہوتا ہے، ان رکعتوں میں اپنے اوپر وہ حالات طاری کر لے جن کا اضافہ اُس پر اس وقت مناسب ہے) پھر اس کو گوشہ میں بٹھا دے۔ کیونکہ شیخ اگر ایسا کرے گا تو مرید کے لیے مقصود کا فتح باب قریب ہو جائے گا اور اس کی برکت سے اُس کی خیر اُس کو جلدی پہنچے گی۔

اور شیخ کو چاہئے کہ مریدین کو آپس میں بھی اپنی مجلس کے علاوہ جمع نہ ہونے دے۔ اور جو شیخ اس میں مسامحت کرے وہ مریدین کے حق میں بُرا کرتا ہے۔

---

[1] یہ فارغ شیخ کیلئے ہے اور جس کو دوسرے مشاغل دینیہ بھی ہوں وہ اس عمل کی روح پر اختصار کرے اور وہ روح خاص حالات مناسبہ کا افاضہ ہے جو بدون دو رکعت کے بھی ممکن ہے

و هذا اخرما اورده الشیخ الاکبرؒ من اداب الشیخ و شرائطه ترجمتها بالهندیة فی فلتات الاوقات والحمد لله الذی بعزته و جلاله تتم الصالحات و کان تسویده فی عشرة ذی الحجة ۱۳۴۹ ھ تسع واربعین بعد ثلثمائة و الف

بندۂ ناکارہ وآوارہ
محمد شفیع دیو بندی کان اللہ لہ، ومشائخہ،
۱۲/ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ یوم الجمعہ

نظر فی الترجمة اشرف علی و دعا
للمترجم بکل خیر خفی و جلی[1]

۱۷/ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ

---

[1] یہ عبارت حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی ہے جو آخر رسالہ پر بطور تصدیق وتقریظ تحریر فرمائی ہے۔۱۲ مترجم
اور حضرت حکیم الامت قدس سرہ کی اس عبارت کا ترجمہ یہ ہے:
''اس ترجمے کو اشرف علی نے پڑھا ہے، اور مترجم کے لیے
ہر چھوٹی بڑی خیر کے لیے دعا کرتا ہے''
(ناشر)

فتوح الہند
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مفتی اعظم پاکستان
ادارۃ المعارف کراچی